١٣٠٧هـ

الصافية الموحية

لحكم جلود الأضحية

شيخ الإسلام إمام أهل السنة والجماعة العلامة المجدد

الإمام أحمد رضا خان الحنفي القادري البريلوي

١٢٧٢ - ١٣٤٠هـ

RIDAWI
رضا
PRESS

۲۰	فتاوی رضویہ کی جلد جس میں یہ رسالہ موجود ہے	۱۲۷	رسالہ نمبر

ضروري نوٹ

فتاوی رضویہ شریف کا دوسرا ایڈیشن علامہ مفتی عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگرد رشید علامہ حافظ عبد الستار سعیدی حفظہ اللہ تعالی کی سرپرستی میں رضا فاؤنڈیشن لاہور نے 30 ضخیم جلدوں میں شائع کیا تھا جس میں اعلیحضرت امام احمد رضا خان رضی اللہ عنہ کے 206 رسائل بھی شامل کر دیے گئے تھے۔ اس مطبوعہ فتاوی کا مصورۃ یعنی ڈیجیٹل Digital نسخہ (PDF) بھی بعض حضرات کی کاوشوں سے انٹرنیٹ پر فراہم کر دیا گیا ہے۔ اسی PDF سے یہ رسالہ ماخوذ ہے اور رضوی پریس نے محض اخراج کا کام کیا ہے۔ اللہ تعالی ان تمام علماء کرام اور ان کے معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی انتھک کوششوں کا نتیجہ تھا کہ فتاوی رضویہ کا جدید ایڈیشن منظر عام پر آیا۔ دعاؤں کے حقدار وہ حضرات بھی ہیں جن کے مساعی جمیلہ کے سبب فتاوی مبارکہ کے (PDF) تک ہر خاص و عام کی رسائی ہوئی جزاھم اللہ احسن الجزاء

RIDAWI PRESS

۱۳

الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ ۲۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ما قولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ و شراء حصر المساجد و زیت قنادیلہ وغیر ذٰلک من القربات التی لا تملیک فیہا، فہل ھو جائز، والصرف الی تلک الوجوہ سائغ ام لا، بل یکون صدقۃ واجبۃ لا یصرف الا فی مصارفہا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب: الحمد للہ وبہ نستعین، والصلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، ما تقرب

خلاصۂ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"

مسئلہ: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کیلئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت، مسجد کیلئے چٹائی، روشنی وغیرہ کارِ ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسا پیسا ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب: اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں، درود وسلام سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی اللہ تعالیٰ بالقرابین، نعم اذا باعہ بالدراھم لا لمال یتمول، او ربح یتحصل، بل لیصرفہ الی وجوہ القرب ومرضات الرب، جاز لہ ذلک وان لم یوجد تملیک ھنالک فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیک من الفقیر ولذا جازت الاباحۃ ولو لغنی۔

والمعنی المانع فی البیع انما ھو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام۔ قال فی الھدایۃ لایشتری بہ مالا ینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول اھ[1] وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لا یتصرف علی قصد التمول اھ[2] ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء الغر،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں۔

قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو، بلکہ کارِ ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کارِ ثواب ہی ہے فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

مسئلہ کے جزئیات

"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے، جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے)، دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کارِ ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

www.alahazratnetwork.org

---

[1] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸
[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲۱

وظاہر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجہ لمنعہ بل ھو قربۃ لکونہ فعلا لاجل قربۃ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الاتری الی ما قال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1] اھ فانما علل الجواز بکونہ قربۃ، وما نحن فیہ ایضا کذلک، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، و یالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر ما یوجبہ عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ اقول والسر فی ذلک ما یستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ

وجہ التمول" ہے۔"

یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہو جانے والی چیز کے بدلے میں ہو، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے، بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہونا چاہیے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے، کیونکہ یہ کار ثواب ہے، جیسے گوشت ہی صدقہ کر دیتا۔"

www.alahazratnetwork.org

امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی۔

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

---

[1] تبیین الحقائق، کتاب الاضحیۃ، المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۹

تعالیٰ فما لم یرق لایجوز الانتفاع بشئ
منہ حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلک
لانہ نوی اقامۃ القربۃ
بجمیع اجزائہا فاذا اقیمت وحصل
المقصود ساغ الانتفاع علیٰ جمیع
الوجوہ، بید انہ لما کان شیئا
تقرب بہ الی المولیٰ سبحٰنہ
وتعالیٰ، والتقرب والتمول ضدان متباینان
لایلتئمان، فقد خرج بذٰلک عن
جہۃ التمول بحیث لاعود الیہ
ابدا فاذا قصد بشئ منہ التمول
فقد خالف واورث ذٰلک خبثا فی
البدل، وایما مال حصل بوجہ
خبیث فسبیلہ التصدق، اما
القربات فلا تنافی التقرب
بل تحققہ ولا تورث خبثا بل
تزھقہ فمن این تحرم
وتجب تصدقہ، قال
الامام العینی فی البنایۃ
المعنی فی اشتراء ما لاینتفع
بہ الا بعد استہلاکہ انہ
تصرف علی قصد التمول
وھو قد خرج عن جہۃ
التمول فاذا تمولتہ بالبیع
وجب التصدق لان ھذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے کہ
اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے، اور یہ شرعاً
منع ہے، اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل
کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے، اسی لئے
جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں
ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، حد
یہ ہے کہ اُون اور دُودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں،
نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض
حاصل ہو گئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع
جائز ہو گیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کُلاً یا بعضاً
کسبِ زر کے لئے بیچنا، اس کو قرابت اور
کارِ ثواب سے پھیر کر دنیا کی طرف موڑ دینا ہے،
اور کارِ ثواب اور حصولِ زر میں منافات ہے،
اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہو گی، اور
جو روپیہ اس طرح حاصل ہو گا وہ مالِ خبیث
ہو گا اور مالِ خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے،
اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی
منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب،
تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے
حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہو گی، لہٰذا یہ بیع بھی
حرام نہ ہو گی۔ اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ
نے بنایہ میں ارشاد فرمایا: "جس چیز سے انتفاع
اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز کی بیع
حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے
جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

www.alahazratnetwork.org

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثاً فیجب التصدق[1] اھ و بہ تبین وان کان[عہ] بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والا لما جاز البیع بالدراھم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وھو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذ ذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولا یجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللّٰہ طیب لا یقبل الا الطیب[2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وھذا کلہ باطل بالبداھۃ

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے، تو جب اسے بیع کرکے کسبِ زر کیا اُس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔"

سوال وجواب | یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے، یہ بھی بیع بطور تمول ہے، تو کارِ ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا، جس کو ناجائز ہونا چاہئے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

www.alahazratnetwork.org

عہ فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لا یخفی ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہٗ۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

33
33

فثبت ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فکذا سائر القرب اذ لافارق یقضی بکون ھذا تمولا وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللّٰه۔

چاہیے، اور اس کو حرام ہونا چاہیے، اور اس کا تصدق بلانیتِ ثواب ضروری ہونا چاہیے جو مالِ خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہیے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں تصدق اور طلبِ ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی، پھر بھی امام علینی نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستہلک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فکذا البیع له۔

ایک اور سوال وجواب اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔

قلت کذلك البیع للتقرب مثل التقرب والتقرب جائز فکذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاکل ایضا لجواز الاکل بنص القرآن العظیم فالحق فی التعلیل ما قدمنا عن الامام الزیلعی[1] من انه قربة، وحینئذ لابد من کلیة الکبری القائلة بان کل قربة تجوز ھھنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز ھھنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النھار ھذا و للعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہ دیگر کارِ ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کارِ ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہیے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہیے، مثلاً غلّہ کے عوض کھال بیچیں اور غلّہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز، حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل علتِ جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۹

تقریر آخر اشمل واظهر لبیان الفرق تظهر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالٰی۔

کہ حصولِ زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا "لانه قربة" (اس لئے کہ یہ کارِ ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کا کلیہ ہونا ضروری ہے جو اس طرح ہوگا "ہر قربت جائز ہے" تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کارِ ثواب کے لئے بیع جائز ہے، وللہ الحمد۔

فاقول وبالله التوفیق الجهات ثلث، الاکل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلهم من رجال الصحیحین ماخلا مسددا فثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشة الخیر الهذلی رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا کنا نهیناکم عن لحومها ان تاکلوها فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وائتجروا الاوان هذه الایام ایام اکل وشرب وذکر الله عزوجل[1] والائتجار باطلاقه یشمل التصدق وسائر وجوه التقرب کما لا یخفی فان فسره مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ما سیاتیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی۔

ایک دوسری تقریر شرعاً قربانی کے مصرف کی تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا) ائتجار (کارِ ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کارِ ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالٰی نے کشادگی فرمادی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کارِ ثواب میں صرف کرو، سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں"۔ تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کارِ ثواب کیلئے بیچنا جائز ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری و مسلم وغیرهم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثۃ۔

قلت کلا فان الامر ھٰھنا لیس للوجوب باجماع عامۃ علماء الامۃ، منھم ساداتنا الائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لاشیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب والترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔

وسر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورۃ وھو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بھما اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاھرہ وعملا بالدلیل بتمامہ، قال المولی المحقق علی الاطلاق

سوال وجواب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کارِ ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے، تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امورِ خیر کو عام ہے، اس کو تملیکِ فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری ومسلم وغیرہ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے، تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کارِ ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا، لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب ومستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ما کان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۵۸

محمد بن الہمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ[1] الخ وقال فی تشیید ھذا الجواب تحقیقہ ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وھی المعارضۃ بین المطلق والمقید[2] الخ۔

فالمناط عند التنقیح ھو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ۔

خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم و واقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے' اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے، اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے' یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"

تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم و حادثہ نہیں، بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یجزم بذلک من عاشر عرائس نفائس عبارا تھم فقد حکموا ان لاحمل ان وردا فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب ولا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقا وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدھما تقیید الآخر

مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(الف) تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ایک شئی کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضرورت نہیں۔"

---

[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذ لا اعتاق عنه بدون تمليكها عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، وعللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالیٰ فصيام ثلثة ايام[1] مع قراءة ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افادوا ان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولهذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائیگا کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو، اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائیگا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے، لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا، اور اُسے مالک بنائے بغیر اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہوسکتا، تو جس کا مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالیٰ نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح والتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

www.alahazratnetwork.org

قال المولی بحرالعلوم ملک العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیہ اشارۃ الی ان الحمل انما ھو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب او الاباحۃ اذ لاتمانع فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذۃ بترک القید و ایجاب المطلق اجزاءہ مطلقا[1] اھ، قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی ما نقلہ فی البحر مقرا علیہ بل متمسکا بہ من ان الاصح انہ لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا الا فی حادثۃ ولاحادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طھورا و لم یحمل ھذا المطلق علی المقید وھو حدیث التراب طھورا[2] اھ فلعلہ اراد نفی زعم من زعم ان مذھب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل، اس سے کچھ تعرض نہیں کیا صِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا، اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب ہے، اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا۔

(د) یہی بات ملا عبدالعلی بحرالعلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکامِ واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکامِ مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے، مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق ما دل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۳۶۲

[2] بحرالرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۲۹۹

الحادثة مطلقا، فافاد ان ليس هذا ۵۲ من المناط فی شیٔ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض، الاتری ان امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی هذا التقریر لایتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سرہ السامی فی ردالمحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ههنا بحث شریف لولا غرابة المقام لاتیت به۔

مقید مان لیا جاتا ہے۔

(۷) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا: "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طہور" (مٹی پاک ہے)، یہ خاص اور مقید ہے، ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ و حکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار و مدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے، اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الادخار ههنا لوحمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذلك یجب حمل الاطعام الوارد عند احمد والشیخین وغیرهم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی الله تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا[1]، و

ایک اور دلیل: یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا:

(۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی:

۱؎ صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایؤکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا ما بدا لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انہ باجماع العلماء علٰی اطلاقہ جار للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیک، فافھم والمتامل الموفق اذا نظر حدیث اُمّنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھٰذہ الاحادیث الاربعۃ التی ع۱ فی روعہ ان المراد ثمہ بالتصدق المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ

(۲) کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے:

(۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو)

حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے، توان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" (طلب اجر یعنی کار ثواب کرو) ہے اور بقیہ تین حدیثوں میں "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے، اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اسی مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا۔ اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

ع۱ ای احادیث نبیشۃ وسلمۃ وبریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ قدس سرہ۔

ع۲ ظنی انہ لابد ھٰھنا من لفظ علیہ (ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق)

یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث۔ ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ما کان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹

www.alahazratnetwork.org

كما سيرد عليك تحقيقه ان شاء الله تعالى كما تلتم وترد مورداً واحداً ، و الاحاديث يفسر بعضها بعضا وبالله التوفيق .

حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)، تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کرسکتا ہے، اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهيك قول الامام الجليل صاحب الهداية فيما يستحب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاكل والادخار كما روينا والاطعام لقوله تعالى واطعموا القانع والمعتر ، فانقسم عليها اثلاثا اهـ ، ومعلوم ان الاطعام لا يقتصر على التمليك لا لغةً ولا شرعاً وقد اجمع اهلنا على

تائید مزید اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں: کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشاد الٰہی ہے: اطعموا القانع والمعتر (کھلاؤ صابر اور مانگنے

لـہ الهداية — كتاب الاضحية — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۴/۴۴۸

جواز الاباحۃ بل نصوا ان کل ما شرع بلفظ الاطعام جاز فیہ الاباحۃ لما سیأتی فاین تعیین التملیک تدعون، ثم رأیت العلامۃ الاتقانی فی غایۃ البیان قال فی شرح ھذا الکلام وذلک لان الاٰیۃ والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخار فکانت الجہات ثلثا فانقسمت علیہا اثلاثا[1] اھ و معلوم ان لیس فی الاٰیۃ الا لفظ الاطعام المجمع علی شمولہ للاباحۃ، وقد عبرعنہ بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ھٰھنا ھو المحمول علی الاستجار دون العکس واللہ الموفق۔

والے فقیروں کو) تو جب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کرلیا جائے۔"

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں، اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سبھی نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا، تو جہتیں تین ہوئیں، لہذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے۔"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورۃ الحج من مستدرکہ بطریق زید بن الحباب عن عبداللہ بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[2]

ایک شبہ اور اس کا جواب: امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

---

[1] غایۃ البیان

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحج دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

www.alahazratnetwork.org

ورواه البیہقی ایضا فی سننه الکبری،
قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاه۔[1]
قلت وهذا وان ردہ الذہبی فی التلخیص فقد تلقاه العلماء بالقبول، و بهذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا، بید انهم کما تری لایجرون علی اطلاقه، فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق، ونص ائمتنا فی الصحیح عندهم علی جواز البیع بما یبقی، فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث۔

وانا اقول وبالله التوفیق من تأمل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقهیة، الجأه ذلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لا مطلق التبدل کیفما کان، کیف وان التصدق من مقاصد الاضحیة المأذون فیها شرعا، وان للبدل حکم المبدل، وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمة فی زکوة وفطرة ونذر وکفارة کما نص علیه فی الهدایة والکافی والکنز والتنویر وغیرها عامة کتب المذهب، فاذا جاز هذا، والصدقات واجبة، فلأن یجوز وهی نافلة اولی فافهم، اما عدم جواز ذلك فی الهدایا والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے، اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے، الفاظ حدیث کے یہ ہیں،

من باع جلد اضحیة فلا اضحیة له۔

(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رُو سے ناجائز ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے، اور از روئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوۃ وفطرہ میں جس طرح اصل (غلہ، چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے، اسی طرح اسکی

www.alahazratnetwork.org

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیة تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ویعطی القیم، فان القربة فیها بالاراقة دون التصدق، وهی غیر معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم، کما افاده فی الهدایة والبحر وغیرهما. ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له[1] اعظم شاهد علی عدم الاطلاق، فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاء قربته مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوبة فی خصوص المحل، وقضیة الجزاء ترتبه علی فعل ینافی التضحیة و ینفی الاضحیة علی ما فیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة، فلا یمکن ان یکون من باب القربة، بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیهما ایضا مثل الائتجار، ولوکان فیهما ما ینافی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة، لما اذن فیهما، فعند

قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اسکی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاً جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا، اور چونکہ قربانی کا حکم خلافِ قیاس ہے، اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیساکہ بحر و ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے، اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے، اس لئے قیمت سے بھی ادا ہوجاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزا وارد ہوئی، شرطیہ جملہ ہے، "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے "اس کی قربانی نہیں ہوئی"۔

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے۔ اور قربانی قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصولِ ثواب

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ذلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع ما رخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل، والادخار[ع] لكونه لا نفع به ببقائه، والانتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهي المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ما ينتفع به باقيا فالاكل وان فقد والانتجار وان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل والادخار وان ذهب فالانتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهر ان ما نحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه في عامة كتب المذهب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھا لیا جائے، تو یہ افعال لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کیلئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے، اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہوگئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں)، اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے، اور ہلاک ہونیوالی چیز سے بدلے ثواب

www.alahazratnetwork.org

ع الادخار والانتجار كلاهما بالنصب عطفا على الاكل ۱۲ منه قدس سره۔

ادخار اور انتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بنا پر، ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانكار جواز هذا ان ليس تحكما فماذا ، وانت اذا تأملت ما القيت عليك ، واخذت الفطانة بيديك وجعلت الانصاف بين عينيك ، لعلمت ان هذا هو الغنى المفهوم من الحديث ، فى اول النظر كما بعد الطلب الحثيث فان المتبادر من سياق اللفظ ان يكون بيعه للانتفاع لانه عقد موضوع

بچا، نرا کل وادخار تو ضرور منتفی ہوا، لیکن طلب ثواب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہ ثلٰثہ میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے۔

ایک آسان بات | یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کر دی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کیلئے ہوتی ہے اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عه ثم بعد زمان لما منّ المولیٰ سبحٰنه وتعالیٰ علیّ بشراء غاية البيان للعلامة الاتقانى رأيته نقل عن الامام شيخ الاسلام بكل ما يشير الى هذا الذى نحوت اليه حيث قال قال شيخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالیٰ فى مبسوطه اما اللحم فالجواب فيه كالجواب فى الجلد ان باعه بالدراهم تصدق بثمنه وان باعه بشئ اٰخر ينتفع به جاز كما فى الجلد وانما ذكر محمد رحمه الله تعالیٰ البيع فى حق الجلد دون اللحم لانه بنى الامر على ما هو الغالب وفى الغالب كما ينتفع بعين الجلد يباع بشئ اٰخر ينتفع به وفى اللحم فى الغالب ينتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی بر صفحہ آئندہ)

www.alahazratnetwork.org

لذلك وهوالغالب فيه وان يكون بالدراهم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوى فيه جهتا البيع والشراء، اما سائر المستهلكات ففي حكم الدراهم، ولذا جعلها في الهداية هي الاصل، وقال في سائرهن اعتبارا بالبيع بالدراهم[1] هذا كله ماخطر بالبال مستعجلا، فانعم الفكر منصفا متأملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آل جهدا في اتباع الغر من ائمة النظر، والله الهادی الی عوالی الفکر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے، اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنی ذات کے تمول وانتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب | اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے' تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے، اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا: اعتبارا بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

www.alahazratnetwork.org

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولایباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد بہ الانتفاع ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ، تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ ہے جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی ۴/۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس) اقول وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایۃ "لو باع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ[1]" اھ فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقاً فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا "یعمل منہ اٰلۃ تستعمل فی البیت[2]"، ثم قال "ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ[3]"، ثم قال "ولایشتری بہ مالاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ[4]"، وقال فی تعلیلہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم[5]"، قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[6]"، ثم قال "ولو باع الجلد او اللحم[7]" الخ فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ و فتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاء، لا مطلق البیع، کیف ولو ارید المطلق لماساغ قولہ "ولایشتری بہ مالاینتفع بہ" الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا

عبارتِ ہدایہ کی تشریح | ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔"

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کیلئے بیچنا ہے، مطلقاً نہیں۔ کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے

اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہوجائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے، تو یہ کلام ابتداء سے انتہا تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

[1] تا [7] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

www.alahazratnetwork.org

4/4

وبطل تعلیله بانه "تصرف علی قصد التمول" فلیس کل بیع بالدراھم مما یصدق علیه ذلك کما اسلفنا تحقیقه، وقوله "ولو باع الجلد الخ" انما هو متفرع علی تلك المسئلة فلا یراد به الاما امر یدبها، کانه لما بین عدم جوازه نشاء السوال فقیل اذا لم یجز هذا، فان فعله فاعل فما ذا علیه، فاجاب بانه یتصدق بثمنه ثم نشأ السوال بان قولکم هذا یفید صحة البیع فکیف بحدیث "من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[1]" فاجاب "بانه الحدیث انما یفید کراهة البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرة علی التسلیم[2] اھ" وھذا دلیل اٰخر علی ان لیس الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، فان البیع بها لاجل التصدق لایکره اصلا، وقد بین ھذا، فابین من ھنا مولانا العلامة العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قول المولی الغزی رحمهما الله تعالٰی "تصدق بثمنه اھ مفاده صحة البیع

والی بیع ہے مطلقاً بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنیٰ نہ ہوں گے "مالاینتفع بہ" (جس سے نفع نہ اٹھایا جاسکے) اعتباراً بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانہ تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہُوا) اور اسی کے بعد صاحبِ ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہوسکتا ہے، یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے، اس کا صدقہ واجب ہے، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیع ہُوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لااضحیة لہ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھة" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتا ہے اس لئے بیع تو ہوگئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

www.alahazratnetwork.org

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ الحج) دارالفکر بیروت ۲/ ۳۹۰
[2] الھدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ، وعن الشافعی باطل لانہ کالوقف مجتبیٰ[1] اھ فقد نص ان قول التنویر "کالھدایۃ تصدق بثمنہ" یفید کراھۃ البیع، فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی السارۃ فی قولہ "لایشتری بہ مالاینتفع بہ" الٰی قولہ "تصرف علی قصد التمول"[2] ومن اوضح الدلائل علی ذٰلک ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ "لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الٰی بدلہ فوجب التصدق"[3] اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر، ولہذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظۃ "لایبیعہ

کی وجہ سے فاسد ہوتی۔

(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے' اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے' البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے، جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو' بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری بہ مالاینتفع" سے تصرف علی قصد التمول" تک میں مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

www.alahazratnetwork.org

۱؎ درمختار — کتاب الاضحیۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۴

۲؎ الہدایۃ — " — مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

۳؎ الکافی شرح الوافی

بالدراهم على نفسه وعياله[1]، فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوهام، وهذا دليل رابع على ما ذكرت، والخامس الوتر والله يحب الوتر، ان نقل كلام التبيين في الهندية ثم قال "وهكذا في الهداية و الكافي" اهـ[2] فقد افصح بلا فيه ان معنى كلام التبيين والهداية واحد۔

"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہو جاتی ہے، لیکن جب اس کو تمول یعنی کسبِ زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا۔"

تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے"۔ تو انھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل ہوئی۔

(۵) اور پانچویں صاحبِ ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحبِ تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے"۔ تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحبِ تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالى على عبده الضعيف بشراء غاية البيان شرح الهداية للعلامة الاتقاني رحمه الله تعالى، رأيته شرح كلامه بما لم يبق للوهم مجالا، حيث قال يريد به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولكن الاضحية ساقط عنها معنى التمول، فلما باعه بالدراهم وجب عليه التصدق بها، لئلا يلزم التمول بشیئ من الاضحية او بدلها[3] فافاد كالكافي وغيره ان المنهي عنه

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کر دیا، فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسبِ زر اور حصولِ زر کی غرض مطلقاً ساقط ہے، تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے۔"

تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

---

[1] تبیین الحقائق — کتاب الاضحیۃ — المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر — ۶/۸
[2] فتاوٰی ہندیۃ — الباب السادس — نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/۳۰۱
[3] غایۃ البیان

هو البيع للتمول، وزاد ان المراد بيع يفوت القربة فخرج البيع لاقامة قربة، فانه لا يفوتها بل يحصلها وهو تقرب لا تمول، فاتضح الصواب وزال الارتياب، والحمد لله فی کل باب، هکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق، ومن المولٰی تعالٰی هدایة الطریق، فقد بان بنعمة الله جل وعلا ان البیع بالدراهم لیس مما یمنع مطلقا بل اذا کان علی جهة التمول، وهو الذی یورث الخبث وعلیه یتفرع وجوب التصدق، اما اذا باع بها لیصرفها فی القربات، فذٰلك سائغ وسائر وجوه القرب مطلقة حینئذ لا حجر فی شیئ منها۔

بذٰلك افتیت غیر مرة وکتبت فیه فتوٰی مفصلة اذ سئلت عند لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من هجرة من لولاه ما صلیت الخمس، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس، ولا اقبل غد ولا ادبر امس علیه وعلی اٰله الغر الکرام افضل صلاة واکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذٰلك العام

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے، تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو، والحمد للہ رب العٰلمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقاً بالدراہم نہیں، بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے۔ اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے؛ اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کارِ ثواب کسی قسم کا ہو۔

www.alahazratnetwork.org

میں نے بارہا یہی فتوٰی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوٰی ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتوٰی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا، یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں، ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو؛ ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے، کسی بھی

وهما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوی المبارکة ان شاء الله تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة جعلها الله نافعة للمسلمین ومقبولة لدی العالمین وحجة لعبده یوم الدین اٰمین اله الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الهند بین اکثرهم من الوهابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراهم مطلقا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز له الصرف الی ما نوی من القرب بل لایخرج عن العهدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك، واحتج الاصاغر منهم علی ذٰلك بعبارتی الهدایة والدر المذکورتین، وقد بینا ماهو المراد بهما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لامساس لشئ منهما بمزعوم القوم، فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخرٰی فی رد کلامهم، فانه لشدة وهن نفسه غنی عن ایهان غیره، فلئن سألتهم هل الکلام هٰهنا اعنی فی قول الهدایة والدر فی بیع یکره لا فی غیره، لیقولن نعم، ولئن سألتهم هل البیع بالدراهم یکره مطلقا لیقولن لا، قل فانی تذهبون، ولئن قالوا فی الاول لا، لقضت علیهم حجتهم نفسها بالخطأ والجهالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرفِ خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف کرنا جائز نہیں، اصاغر نے توہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل بیان اُوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے، پھر ان سے پوچھو کیا کھال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوصِ علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

قالوا فی الاخر نعم، فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة، فانهم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراهة، وان لم یعترفوا لاتیناهم بجنود من نصوص العلماء لاقبل لهم بها، فناهیك بهذا القدر مشبعا لهم، ومزیلا لوهم عرض بالهم۔

ولکنی **اقول** لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرهم الگنگوهی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی ما فیه من انواع الابتداع عہ حیث زاد غباوة علی الاتباع واخذ یتشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله" فیکون خبیثا

اگر یہ چھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دُبلے سستے اور مہنگے، اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی، تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طولِ باع و وسعتِ اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور دُرر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رد ہیں،

www.alahazratnetwork.org

عہ هذا کان اذ ذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایة والضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ بالله من الهلاك والردی ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حالِ سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہٗ (ت)

فیجب التصدق، وانه اذا تمولها بالبیع[1] الٰی قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدرر وان کانا حجتین علیهم لا لهم، لکن لا کهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لا مطلق التبدل، لا سیما کلام الامام البدر المبین کالبدر، ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لکراهة البیع، وکراهة البیع لقصد التمول، فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول، فیحکم بکراهة البیع به مطلقا، ام لا یدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد، ام یجیز قیاس المباین علی المباین، والخبیث علی الطیب، والمنهی عنه علی المأذون فیه، بل المندوب الیه فهل هذا الاشیئ نکرا، وامرا امرا، وایاما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔

قال الرجل هداه الله تعالٰی الٰی مسلك اهل السنة والجماعت، اذا باع المضحی جلد اضحیته بالدراهم سواء کان البیع للتمول او بنیة التصدق تعین تصدق ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے، اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت کو تسلیم کیا ہے، اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے، یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے، ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد[ا] اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے۔ اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے، علینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصد تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے، تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔ اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کمال سے منتقل ہوکر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص

---

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاضحیة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴/۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الھدایۃ انہ تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جھۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[1] اھ معربا ملخصا۔

اقول دلنا کلامک ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ المارۃ فی قولی، یالیت شعری فعرفنا بتردیدک ان لیس کل بیع بمستھلک تمولا عندک، وانک ماتمیز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک، او تجاھلا مع علمک ان الکلام فی سائر القرب دون التصدق فاذن لاحد لاحتجاجک بکلام الکافی مثلا، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی او لغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل "قل یایھا الکفرون ۵ لا اعبد ما تعبدون[2] ۵" فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منہ المتنازع فیہ اصلا، فلا اری احدا من

تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرفِ تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہلِ عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کارِ ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے، اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیرخدا کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے: لا اعبد ما تعبدون، تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کردیا۔ اسی طرح صاحبِ کافی کی عبارت تو بیع تمول کی ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کردی۔

یہ تو عبارتِ کافی سے استدلال کا حال ہے، اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے، اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث ہے، اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱و۲

www.alahazratnetwork.org

المبطلین یعجز عن اقامۃ الف دلیل علی دعواہ ھذا احتجاجك بالکافی، اما التمسك بکلام البدر فبرأك اللہ من ان تنقص درجۃ عمن یدعی وجود اللیل البھیم مسبل الاستار یحتج علیہ بوجود الشمس فی وسط السماء بازغۃ تبھر الابصار۔

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا: "کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے، تو وہ صدقہ واجبہ ہوا، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے، تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔

قال "فقد اتضح بھاتین الروایتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقۃ فکونھا صدقۃ واجبۃ واضح بنفسہ فلایکون مصرفھا الامصرف الصدقۃ الواجبۃ کما ھو ظاھر، فلایجوز صرفہ الی بناء المساجد والمدارس" اھ بالتعریب۔

اقول ان ارید الوجوب عند التمول فنعم، ولاکلام فیہ، او عند التقرب فلا ولاکرامۃ، وای اثر لہ فی دلیلك فما ثبت بھما لانزاع فیہ، ومافیہ النزاع لم یثبت بھما، وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلۃ من ای باب، فنعم لدعواك فی کل کتاب، دلائل عدد الرمل والتراب۔

قال والصدقۃ مطلقا لابد فیھا من التملیك سواء کان اباحۃ او تملیکا تاما۔[2]

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے، تو یہ بات صحیح ہے، بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کارِ ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے، تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں، اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو، تو

---

[1]

[2]

اقول یالیتك اذ لم تهتد الی الصواب
قنعت، بما من قبل صنعت، ونفسك عن
الاسترسال منعت، ولكنك احببت ان تزید
فی الطنبور نغمة، وفی الشطرنج بغلة،
فابتدعت القول بان الاباحة من
التملیك وانما تجزئ فی الصدقة
مطلقا، فجعلت القسیم قسما،
والضد ندا مع ان كلمات العلماء فی مسائل
الاباحة غیر قلیلة ولا خفیة، بل دوارة فی
كثیر من ابواب الفقه، منها الطهارات
ومنها الزكوٰة، ومنها الطلاق ومنها
اللقطة، ومنها الهبة، ومنها الكراهیة
وغیر ذلك وهذا شرح الوقایة للامام
الجلیل صدر الشریعة اول كتاب
تدارسه فی الفقه، افاد فیه
رحمه الله تعالٰی فی اول
كتاب الطهارات من باب
التیمم، ان القدرة تثبت بطریق
الاباحة، وبطریق التملیك، فان قال
صاحب الماء لجماعة من المتیممین
لیتوضأ بهذا الماء ایكم شاء، والماء
یكفی لكل واحد منفردا ینتقض تیمم
كل واحد لثبوت القدرة لكل واحد
علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء لكم
وقبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے
مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس شخص نے کہا:
"صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ
بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر
صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے،
لیکن آپ نے تو ایک نئے سُر کا اضافہ کرنا چاہا،
اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ
یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا
ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت
سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم
کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی
تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے
ہیں، ابواب طلاق ولقطہ وہبہ وکراہیہ وغیرہ میں
کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ
کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی
ابتداء میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے
بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی، تو پانی والے
نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو
چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی
ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ
جائے گا، کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت
ثابت ہوگئی۔ اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب
قبضہ کرلو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

www.alahazratnetwork.org

علی ملك الواھب ولم تثبت الاباحۃ لانہ لما بطل الھبۃ بطل ما فی ضمنھا[۱] اھ ملخصاً ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرھما، فانظر کیف باینوا بینھما، واسمع کیف اثبتوا الاباحۃ لکل منفرداً بقول المالك لیتوضأ بہ ایکم شاء، مع بداھۃ انہ لاتثبت بقولہ ھذا شیئ من الملك لکل منھم، ولا لاحدھم افما کنت درست ھذا، اوما دریت ولا وعیت ضابطالھم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جازفیہ الاباحۃ، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیہ التملیك[۲]، کما فی ظھار الدر[۲] ومجمع الانھر وغیرھما فافتح العین، ھل ھما قسیمان، او احدھما قسم من الاخر

سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا، اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں، اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے، اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی۔ دُر اور مجمع الانہر میں ایک مشہور ومعروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے، اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے"۔ تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم!

اَوَما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوۃ تملیك[۳] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحۃ[۴]، اوما عرفت ان الامام صدر الشریعۃ لما قال فی النقایۃ تصرف تملیکا[۵]

امام غزی نے فرمایا: "الزکوۃ تملیك، زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے"۔

علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئی"۔

---

[۱] شرح الوقایۃ | کتاب الطہارۃ | المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی | ۱/۱۰۵-۱۰۶
[۲] درمختار | باب کفارۃ الظہار | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۵۱
مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر | باب الظہار | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۱/۴۵۳
[۳] درمختار شرح تنویر الابصار | کتاب الزکوۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۲۹
[۴] " " " | ۱/۱۲۹
[۵] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ | فصل مصرف الزکوۃ | نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی | ص ۳۷

یعنی الزکاۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحہا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ[1] اھ اوما عقلت ما افاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ[2]، او ما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ رد المحتار ان التصرف علی وجہ التملك احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملك صاحبہا[3] اھ او ما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ، انما یتصرف علی ملك المبیح لاحظ لہ من الملك اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملك المالك، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستھلکہ المباح لہ، علی ملك المبیح او علی ملك نفسہ، قلت اذا صار ماکولا تزال ملك المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملك احد[4] اھ واقرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ھذا وکم اسود لك یا ھذا من نقول الاسفار، وھی فی الوفور والاستکثار،

امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ) تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی۔ علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"۔۔۔۔ "وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو"۔

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ختم کرتا ہے، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"۔

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی، یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا۔ ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیۂ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

1 جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۸
2 بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸
3 رد المحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۱-۳۲۰
4 بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

www.alahazratnetwork.org

ماتنزقی دون نقلہ الاعمار، وانا بحمد اللہ عالم بمناط غلطك، ومثار تغلطك وساُنبھك علیہ عن قریب، انشاء المولی القریب المجیب، واما ما اوھمت من اجزاء الاباحۃ فی الصدقات مطلقا، فواضح البطلان عند کل من یعلم ان الزکاۃ وصدقۃ الفطر لاتغنی فیھما الاباحۃ علی المذھب الصحیح المفتی بہ، وقد قدمنا نصوص النقایۃ و التنویر والدر، وضابط الدر و شرح ملتقی الابحر، وسیاٰتی زیادۃ علٰی ذٰلك ان اراد المالك۔

وبالجملۃ کلام الرجل ککلام مدھوش، من قرنہ الی قدمہ مخدوش، ونحن اذ قد اوضحنا المرام وازحنا الاوھام بتوفیق ربنا الملك العلام، فلا علینا ان نقصر الکلام ونطوی بساط الرد والابرام والحمد للہ ولی الانعام۔

آویں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے جو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں، ہم نے اس بات کے جزئیات تنویر اور دُر سے پہلے نقل کیے، اور دُر کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے، تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رَد کی ضرورت نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تذییل جلیل: قال العبد الذلیل بعد ھذا، وقفت علی تحریر اٰخر لبعض جلۃ العصر من افاضل اھل السنۃ جنح فیہ نحو ماجنح اولٰئك القوم، وحکم ان لابد ھٰھنا من التملیك متمسکا بما تعریبہ حکم جلود الاضاحی ان یتصدق بھا او ینتفع بھا بنفسہ اویستبدل لھا بما ینتفع بہ مع بقاء کالغربال والسجادۃ وغیرھما، ففی صورۃ

ایک سُنّی عالم کا فتوٰی البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے:

"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلّی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے۔"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملیک[1] اھ حاصلہ معربا۔

اقول ھذا الکلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیک فی التصدق لایستلزم لزومہ فی التقرب، ولم یَتُمَّ کلامکم بایجاب التصدق ھٰھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویۃ ھی التی کانت محتاجۃ الی البیان وقد طویتموھا و طویتم الکشح عن بیانھا فاختل البرھان، وکان ملحظ ھذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثۃ، وبالبیع بالدراھم ولولاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وھو لابد فیہ من التملیک ھذا غایۃ ما یقال فی تقریر کلامہ، علی حسب مرامہ ھنا ؕ رب بلطفہ واکرامہ فالان۔

کمال کا صدقہ صدقہ واجبہ ہے، نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کارِ ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغرٰی ہے، بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار رہے، ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے، بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے، یا باقی رہنے والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق معیّن ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق، اعلموا ان للصدقۃ اطلاقات: الاول اخصّھا تملیک المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارۃ والاباحۃ وھدیۃ الغنی، والاقراض وھٰذا ھو المراد فی الزکوۃ وصدقۃ الفطر، وبھٰذا المعنی یقال ان الصدقۃ لابد فیھا من التملیک وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحۃ

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) "تملیک المال من الفقیر" اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنی

---

[1] ل

فیہا قطعاً[1]، ولذا قال فی ظہار التنویر صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات والعشر اھ[2] قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکوۃ وصدقۃ الفطر اھ[2] فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔

الثانی[3] تمکین الفقیر من المال مجاناً، وھنا یقطع النظر عن التملیک ویکتفی

ہیں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے، تنویر میں ہے:

"کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے، صدقات اور عشر میں نہیں۔"

لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوۃ اور صدقہ فطر ہے۔" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔

(۲) "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے، اور یہ انتفاع، تصرف اور

ع۳ ای فی نوع الطعام منہا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیہا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ھذا المراد، وانا اقول خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ما ینتفع بہ باستہلاکہ کالمأکولات والمشروبات، والکسوۃ لیس ھکذا کما لایخفی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیساکہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو اقول (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے، حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸۴

حاشیۃ الطحطاوی " " " " دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۰۲

باطلاق الانتفاع ، والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستاني والشامي وغيرهما في مصرف الزكوٰة "انه هو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة اھ[1] وبه علمت ان هٰذين المعنيين لايعداهما الواجب من الصدقات والخلط بينهما كانه هو الذي حدا ذالك الرجل الوهابي ان جعل الاباحة من التمليك ، وذلك انه رأى في الفتح مايقصر الصدقة على التمليك ورأى في ردالمحتار ما نقلنا أنفا وهو يفيد ان الكفارة ايضا من الصدقات ، وقد نقل العبارتين في فتواه فاظن انه نظم منها شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فيها من التمليك ، وكان دارياً ان الاباحة تسوغ فيها ، فلم يتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التمليك لانه اضطربت لديه الاقوال ، وضاق عليه ميدان المجال ولم يدر التفصي عن الاشكال الا بابداء هذا المحال ، ولم يعرف المسكين فرق المحال ، وان تغير الاوسط يهدم الاشكال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے ، صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے ، چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا :

"جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقہ فطر ، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے "

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی محقق ہونگے ، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا "صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے" اور ردالمحتار کی ابھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے ۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے ، اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ، فتح القدیر کی عبارت " الصدقة

www.alahazratnetwork.org

---

[1] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیہا التملیک ھی الصدقۃ بالمعنی الاخص الوارد فیہا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤداھما، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال والحمد للہ المھیمن المتعال، علی انہ ان قطع النظر عن ھذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیک کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ[1] اھ لا ان یرتکب مثل ھذا المحال، وباللہ العصمۃ عن الزلل والضلال ھذا ما وعدناک فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ۔

یجب فیہ التملیک" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے، اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے، حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے، وہ فرماتے ہیں "انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

الثالث[3] وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیک والاباحۃ للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داود الصدقۃ ما تصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلک فانھا علی الغنی جائزۃ عند ما یثاب بہ بلاخلاف[2] اھ وقال فی

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک، اباحت اور فقیر و غنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے:

"صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے۔"

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۶-۲۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تكون على الاغنياء ايضا وان كانت مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح فى الذخيرة بان فى التصدق على الغنى نوع قربة دون قربة الفقير[1] اھ وروى احمد والطبرانى فى الكبير عن المقدام بن معديكرب رضى الله تعالٰى عنه، قال قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انك ما اطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقة وما اطعمت خادمك فهو لك صدقة[2]، وله فيه عن ابى امامة الباهلى رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ما انفق الرجل فى بيته واهله وولده فهو له صدقة۔[3]

الرابع ربما تطلق حيث لا تمليك ولا اباحة اصلا وانما هو تصرف مالى قصد به نفع المسلمين كحفر الآبار وكرى الانهار وبناء الربط والجسور والمساجد والمدارس وغير ذلك، وعن هذا تقول انها صدقات جارية، ومن ذلك قولهم فى الاوقاف صدقة مؤبدة، وعليه جاء قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازًا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔"

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ۔"

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پُل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں، اور اوقاف کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

www.alahazratnetwork.org

[1] ردالمحتار — کتاب الوقف — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۳/۳۵۷
[2] المعجم الکبیر — حدیث ۶۳۴ — المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت — ۲۰/۲۶۸
[3] " — " ۷۴۷۶ — " " " — ۸/۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل؟ قال سقی الماء، فحفر بئرا، و قال ھذہ لام سعد[1]، کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی و ابن ماجۃ و ابن حبان والحاکم عن سعد و ابویعلٰی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ، ومعلوم ان لا تملیک فیہ ولا اباحۃ، فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لایخفٰی علٰی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لما لم یملکوہ لاتصح اباحتھم اھ[2] وقد نص علماؤنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر و نحوھا ماوضع للاحراز و لا یملک المباح بدونہ[3]، و فی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی، یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا، لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا۔ انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔" (احمد وابوداؤد ونسائی، ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح، مباح کرنیوالے کی ملک ہو۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں "جب مال موقوفہ مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں۔"

اس طرح علماء نے تصریح فرمائی "کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں"۔

ہدایہ میں ہے "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی۔"

www.alahazratnetwork.org

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶
سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۳
مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۲۸۵ و ۶/۷
موارد الظمآن الٰی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2]

[3] الہدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۸۳

فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لا شیئ علیہ[عہ] لان صاحب البئر غیر مالک للماء[۱] اھ فاذن لا یکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلٰی ھذا سائر القرب المالیة سواء فی دخولہا فی معنی الصدقة۔

وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خان فی الخانیة قریة فیہا بئر مطویة بالاٰجر خربت القریة، وانقرض اھلہا وبقرب ھذہ القریة قریة اخرٰی فیہا حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاٰجر من القریة التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلک البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنہ، لانہ عاد الی ملکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلک ان

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کردیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں۔"

تو یہ صدقہ اسی معنٰی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کررہا ہے، اور اسی معنی میں سارے مالی کارِ خیر، صدقہ قرار دیئے جانے میں برابر ہیں۔

اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اُجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

www.alahazratnetwork.org

عہ قلت ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوک لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[۱] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۸۶

يتصدق بها علٰى فقير، ثم ذٰلك الفقير ينفقها فی ذٰلك الحوض، لانه بمنزلة اللقطة والاولٰى ان ينفق القاضی فی هذا الحوض، ولاحاجة فيه الى التصدق على الفقير[1] اھ، وفی الهندية عن الواقعات الحسامية، فيما اذا لم يعلم الغارس، الحكم فی ذٰلك الى القاضی ان رأى بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك[2] اھ وقال فی الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأی للقاضی ان رأى ان يبيع الاشجار وتصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك، وتكون فی الحكم كانها وقف[3] اھ

قلت ای فی انه مال مصروف الٰى وجوه البر، اما الوقف فلا لما فی الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة، وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابوجعفر رحمه الله تعالٰى وقف الاشجار لا يصح، فتكون الاشجار للواقف، ولورثته

دگری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے، اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی۔"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے:

"اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے۔"

خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے، اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارفِ خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارفِ خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔ اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

www.alahazratnetwork.org

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ " الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[3] فتاوٰی قاضیخان " فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

ان مات ، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة[۱] اھ ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا ، فیصرفه الی نفسه ، وهو ایضا من باب التصدق من المالك ، بل قال فی الدر المختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یرد بها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه ، ان یتصدق بمثله[۲] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر عن الولوالجیة والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها ، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض ، ومن ذلك ما فی الرحمانیة عن الاجناس ، اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجد آخر ثم اجمعوا علی بیعه ، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الآخر فلا باس به ، وهذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده[۳] اھ ، وفی السراجیه مسجد عتیق لا یعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه

ہوں گے ، اور وہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے ، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزئیہ ہے : "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں ، اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی ، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اُس کی قیمت اِس مسجد میں لگائیں ، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں ، اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے" کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔"

سراجیہ میں ہے : "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی ، لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی" تو قاضی ابو یوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگاسکتے ، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے ، اور فتوٰی قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔"

اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد جب ڈھے کر ناقابلِ استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہو گئے ، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے ، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی ، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

www.alahazratnetwork.org

---

[۱] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۷۲۵/۴

[۲] درمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۶/۱

[۳] رحمانیہ

مسجدِ اٰخر، لیس لاھل المسجد ان یبیعوہ ولیستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر، عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی[1]۔

وذٰلک ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنی عنہ یعود عند محمد الی ملک البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد رحمہ اللہ صرفہ الی مسجد اٰخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ھو بھذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد، وھذہ الاطلاقات کلہا فقہیۃ کما ترٰی۔

میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

توجب ہر قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہوگئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے، ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے، بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہو گیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف ہے (بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریہ)

میں کہتا ہوں قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مالِ زکوٰۃ کھاتا رہا اب مالدار ہوگیا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوٰۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارتِ مقبرہ اور اصلاحِ حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنٰی میں ہے اور اس کو مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک ہے نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔

الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر او دفع الضیر، کیفما کان، ومن ذٰلک حدیث تکرار

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردی جاتی ہے، اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے، اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

www.alahazratnetwork.org

الجماعۃ المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ[1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل سلامٰی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل بین الاثنین صدقۃ بینھما، وتعین الرجل علی دابتہ فتحمل علیھا، او ترفع لہ علیھا متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ و دل الطریق صدقۃ وتمیط الاذی عن الطریق صدقۃ[2]، اخرجہ احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما من رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئتہ[3]، اخرجہ احمد والترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔

کرنے کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا:

"الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے۔"

یوں ہی سرکار نے فرمایا: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے، تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے، اس کا بوجھ لادینا صدقہ ہے، اچھی بات صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے، راستے سے کوڑا کرکٹ دُور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد و مسلم و بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

www.alahazratnetwork.org

یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد و ضیاء نحوہ عن عبادہ باسناد صحیح)

---

[1] سنن ابو داود کتاب الصلوٰۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵
جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی دہلی ۱/۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علٰی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۵
مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۱۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/۱۶۷
سنن ابن ماجہ " باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷
مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/۴۸

السادس قد يستقصى فى التوسع فيقطع النظر عن الغير ايضا و يطلق على كل فعل حسن محمود فى الشرع فانه ان لم يكن تصدقا على غيره ، فتصدق على نفسه ، ومن ذلك قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى حديث ابى هريرة المار كل خطوة تخطوها الى الصلوٰة صدقة[1] وجاء فى حديث كل تكبيرة صدقة[2]. وقد قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم كل معروف صدقة[3] اخرجه احمد والبخارى و اٰخرون عن جابر ، واحمد ومسلم وابوداؤد عن حذيفة والطبرانى فى الكبير عن ابن مسعود، والبيهقى فى الشعب عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهم ، زاد عبد بن حميد والحاكم[4] وصححه فى حديث جابر هذا وما انفق المسلم من نفقة على نفسه واهله كتب له بها صدقة[5] ، وتتمه حديث المقدام المقدم

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود و مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔

"مسجد کی طرف بڑھنے والا قدم صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر نیکی صدقہ ہے (احمد و بخاری و آخرون عن جابر، احمد، مسلم، ابوداؤد عن حذیفہ، طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس)

عبد ابن حمید اور حاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل و عیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔"

نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے۔"

ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شاید کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے۔

اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے کہ قربانی کے

www.alahazratnetwork.org

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۳ و ۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ " " " ۱/۳۲۵
[2] " کتاب صلوٰۃ المسافرین " " " ۱/۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/۳۲۴
[3] صحیح البخاری کتاب الادب " " " ۲/۸۹۰
صحیح مسلم " " " " ۱/۳۲۴
سنن ابوداؤد " " " " ۲/۳۲۰
مسند احمد بن حنبل ۵/۳۹۷ و المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷ و ۱۰۴۱۲ ۱۰/۱۱۰ و ۲۳۲
[4] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/۵۰

ذکرہ، وما اطعمت نفسك فھو لك صدقة[1]، اتقن ھذا فلعلك لاتجد بیانہ تلك الاطلاقات الا فی ھذہ الوریقات واللہ سبحٰنہ واھب العطیات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولھم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولھم یندب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث لیس ھو المعنی الاخص الاول، کیف وقد اجمعوا علی اباحۃ فی القربان فلا یمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك، ویتضح ذٰلك فی قول مجمع الانھر وغیرہ الجھات ثلث الاکل والادخار والتصدق اھ[2] فان الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیہ فی قولہ عزمجدہ واطعموا القانع والمعتر[3] وقد استدل فی الھدایۃ بالاٰیۃ علٰی قول البدایۃ یستحب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث، قائلا ان الجھات ثلث الاکل والادخار لما روینا والاطعام لقولہ تعالٰی واطعموا القانع والمعتر فانقسم علیھا اثلاثا[4]

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کس اطلاق کے تحت آیا ہے، تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلا سکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے، اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں: "قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے، کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا"۔

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں: "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں، کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ، تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا"۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۲۶۹

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۶۳

[4] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

www.alahazratnetwork.org

فلوکان المراد بالصدقۃ ھو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لایخفی، واذقد علمت ان الصدقۃ لھا اطلاقات وان لزوم التملیك انما ھو فی المعنی الاوّل وانّه غیر مراد ھٰھنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولھم یتصدق بجلدھا فان التصدق ھٰھنا ھو عین التصدق فی قولھم یتصدق بالثلث، یرشدك الیہ تعلیل الھدایۃ بقولہ لانہ کجزء منھا فثبت ان لیس تصدق الجلد مما یقتصر علی التملیك حتی لوصنع منہ دلوا، ووقفہ علی بئر مسجد لیستقی بہ المتوضؤن جاز[عہ] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحبِ ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسبِ قولِ ہدایہ "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی۔ مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے، القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقی انہ اذلیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینۃ علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشۃ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ یھدینا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد ھو المعنی الرابع، وھو الغالب فی الصدقات النافلۃ

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے، ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے، مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عہ ای علی المفتی بہ من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبار المساجد اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسّی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

www.alahazratnetwork.org

على ان قد بينا ان معنى المنع ليس ترك التصدق المامور به فانه غير المامور به ههنا راسا بل المعنى قصد التمول المنهى عنه في كل ما تقرب به الى المولى سبحنه وتعالى ، وهو لا يتحقق في شئ من القرب ، فلا يضرنا عند التحقيق ارادة شئ من المعاني اصلا ، كما لا يخفى على من رزق العقل السليم والفهم المستقيم ، والله سبحنه بكل شئ عليم ، هذا وجه في الجواب ، عن احتجاج هذا الفاضل المستطاب -

اقول ثانيا مبناه عن حصر السائغ في الاوجه الثلثة ، ولا دليل يدل على الحصر ، وعدم الذكر ليس ذكر العدم ، وهذا الامام القدوري مقتصرا في مختصره على شيئين التصدق وعمل آلة حيث قال ويتصدق بجلودها او يعمل منه آلة تستعمل في البيت[1] اھ فترك التبدل بما يبقى ايضا ، افيظن كلامه هذا معارضا لكلام من ثلث ، وهذا المحقق الحلبي قال في ملتقاه ، وهو من متون المذهب المعتمدة كما نص عليه العلامة الشامي ، ياكل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالے عنہ میں ایتجار (کارِ ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کارِ خیر کو عام ہے، تو چوتھے معنی جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہو گا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصدِ تصدق کی ممانعت ہے، نہیں قصدِ تمول کی ممانعت ہے، تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصدِ تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہو گا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہو گا۔

مزید توضیح جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے سمجھا کہ مصارفِ قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں، کہ عدمِ ذکر، ذکرِ عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کر دیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے۔ حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے۔"

www.alahazratnetwork.org

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیتہ ویطعم من شاء من غنی و فقیر، وندب ان لاینقص الصدقۃ عن الثلث[1] فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلۃ اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح' وان اختیر ما صححہ فی الظھیریۃ وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبوب وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب والجراب لاعکسہ فی الصورتین، فقد ترک ھذا الوجہ فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ، ونظائر ذلک ان تتبعت اعیاک عدھا کثرا واذلاحصر فلا مساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ھذا فی مطاوی کلامنا فی الوجہ السابق۔

واقول ثالثا ان ابیتم الا الحصر فنبئونی افلا یجوز اھداء غنی، و لیس من الثلثۃ، اولا یجوز الاعارۃ من فقیر او ملی ولیس منہا اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق، فاذ بقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی:

وبالجملۃ فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیک

تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے، اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی، اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ، اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصر واحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا نا جائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں، کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کارِ ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کارِ ثواب کیلئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کارِ ثواب کے لئے بیچنا منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۲۲۴

www.alahazratnetwork.org

اذا فعل ذلك، بل الدلیل ناطق بخلافه
فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزل
عنه، والمسوغ کما تبین بکلام التبیین
قصد القربة وهذا، فلنقتصر علی هذا
القدر، حامدین لربنا فی الورود والصدر،
هذا ما ظهر لفهمی القاصر وفکری الفاتر،
ومعاذ الله ان ابرئ نفسی من الخطأ والزلل
واصر علی رائی بعد وضوح الخلل وسبحٰن
الله الیش انا والیش رأیی، وانما النقص
بضاعتی والخطأ صناعتی، والجهل صفتی،
والعجز سمتی، فان اصبت فبتوفیق ربی،
وله الحمد فی کل اٰن وحین، وان
اخطأت فبشؤم ذنبی، واسأل التوبة ارحم
الراحمین، والحمد لله العزیز الوهاب،
والصلاة والسلام علی النبی الاواب واٰله و
صحبه خیر اٰل واصحاب، واذا انتهت
الرسالة بحمد ذی الجلالة وددت
ان اسمیها بعلم لطیف یکون علما علی
عام التألیف، کما هو دأبی فی جمیع
التصانیف وقد جاءت بحمد الله تعالٰی
مختصرة، ومع الاختصار مطهرة مظهرة
تناسب ان اسمیها "الصافیة الموحیة
لحکم جلود الاضحیة" وکان ذلك ضحوة
الخمیس للیلة بقیت من ذی القعدة
الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو، اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم
ہے، وُہ بیع بقصد تمول ہے، اور ان دونوں میں
بون بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد
تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے
اس کے جائز ہونے میں شبہہ نہیں۔

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتداً و انتہاً
میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس
کو خطا و لغزش سے بری نہیں گردانتا، اور
خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار
بھی نہیں کرتا، سُبحان اللہ! میں کیا اور میری
رائے کیا، نقصان ہی میری پُونجی ہے اور خطا
شانِ بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی
میرا نشان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی
توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہر دم
تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی
بُرائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور
اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اسی کی حمد پر یہ
رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے
طریقے کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف
بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام
الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ
رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت
کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا،
اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کے

www.alahazratnetwork.org

هجرۃ المولیٰ سید الانام افضل صلاۃ و اکمل سلام و اجمل تحیۃ من الملک المنعام علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ الکرام علیٰ مرالیالی والایام، والحمدللہ ذی الجلال والاکرام
کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفیٰ النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں، والحمدللہ رب العلمین۔

مسئلہ ۲۹۴ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم، مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل صلوٰۃ العید قربانی کرنا یا مُرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں؛ اور میاں جی اور شاگردجی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؛ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؛ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں؟

www.alahazratnetwork.org

الجواب

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے، نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے، اور جائز قربانی شرعی وُہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار وایتجار دونوں جائز ہیں، خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں، یا اُسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور ان کی سبیل تصدق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹۵ از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہٰ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنا چاہئے، اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے (۱) شرح وقایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الاحصار، بیان احکام الھدی (۲) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول، باب الھدی (۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی (۵) قدوری، باب الھدی (۶) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری
بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالوں پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے؛